یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

درود شریف

پڑھنے کا

شرعی طریقہ

از

شیخ حضرت علامہ محمد سرفراز خان صفدر

مکتبہ صفدریہ

﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾

"یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔ سو اے ایمان والو تم بھی اس پر درُود و سلام بھیجو۔"

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند حق را بسجودے و نبی را بدرُودے

درُود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ

جمیں

قرآنِ کریم اور حدیث شریف سے درُود شریف، دُعا اور ذکر کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور ٹھوس تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ اذان سے پہلے اور بعد بلند آواز کے ساتھ درُود شریف پڑھنے کا خیر القرون میں کہیں وجُود نہ تھا بلکہ یہ آٹھویں صدی ہجری میں مصر کے بعض رافضیوں کی ایجاد کا چربہ ہے اور اس بدعت کے ثبوت پر بزعمِ خود فریق مخالف کے ایک مولوی صاحب نے جو دلائل پیش کئے ہیں انکا تانا بانا بھی عرض کر دیا گیا ہے کہ ان میں کوئی وزن نہیں ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سُنّت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

ناشر

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

طبع : چہارم ... ... رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ ہجری

تعداد اشاعت ۱۰۰۰

طابع و ناشر ... ... انجمن اسلامیہ گکھڑ

مطبوعہ ... ... عالمین پبلیکیشنز پریس لاہور

قیمت ۵/- روپے

ملنے کے پتے

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مدنی کتب خانہ اردو بازار گوجرانوالہ

مکتبہ رشیدیہ غلہ منڈی ساہیوال

مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ، کراچی

مکتبہ مدنیہ۔ عمران اکیڈمی

مکتبہ قاسمیہ، اردو بازار، لاہور

مکتبہ صدیقیہ حضرو ضلع اٹک

فہرستِ مضامین

پیش لفظ ۵

آخر زمانہ میں جھوٹی حدیثیں اور باتیں بکثرت ہونگی ان سے بچو۔ ۶

ہر سال لوگ نئی بدعت گھڑتے رہیں گے۔ ۷

بدعت کو سُنّت کا درجہ دے دیا جائیگا ۸

آخر زمانہ میں جاہل عابد اور فاسق قاری پیدا ہوں گے ۹

بدعتی محض اپنی ساکھ کیلئے بدعت گھڑیں گے ۱۰

بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ ۱۱

بدعتی شفاعت سے محرُوم ہوتا ہے۔ ۱۲

اگر نمازوں کے بعد بلند آواز سے دُعا کرنا عبادت ہوتی تو سب سے پہلے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کرتے۔ ۱۳

بکثرت اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنا کامیابی کا ضامن ہے۔ ۱۶

لڑائی کے موقع پر آواز بلند کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ ۱۶

قیامت کے دِن ان لوگوں کا درجہ بلند ہوگا جو بکثرت ذکر کرتے ہیں۔ ۱۸

دُعا سے پیاری چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کوئی نہیں ۲۰

درُود شریف کی بڑی فضیلت آئی ہے ۲۱/۲۲

ذکر کا طریقہ کہ وہ آہستہ مطلوب ہے ۲۳/۲۴

قرآنِ کریم اور حدیث شریف

ائمہ اربعہؒ کا اتفاق ہے کہ ذکر آہستہ ہونا چاہیئے ۲۵

ہاں تعلیم کی خاطر آواز بلند کرنا جائز ہے، ۲۵

امام ابُوحنیفہؒ بلند آواز سے ذکر کو بدعت کہتے ہیں ۲۶

انکا استدلال قرآن کریم سے ہے کبیری و مظہری ۲۶

قیامت کی نشانیوں میں ہے مسجدوں میں آواز بلند کرنا ۲۷

حالانکہ بعض علماء نے ذکر کو بھی مسجد میں بآواز بلند حرام کہا ہے۔ ۲۷

حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ نہ تھا ۲۸

دعا بھی آہستہ ہونی چاہیئے فتاویٰ سراجیہ وغیرہ ۲۹

درود شریف جہر سے پڑھنا بدعت ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ ۳۰

اذان کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کی بدعت ۷۹۱ھ میں مصر میں جاری ہوئی۔ ۳۱

ایک جاہل صوفی اور ظالم حاکم کی وجہ سے یہ رائج ہوئی۔ ۳۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں یہ نہ تھی، امام شعرانیؒ ۳۴

سلطان صلاح الدینؒ نے رافضیوں کی بدعت کو قانوناً ختم کرکے اسکو جاری کیا ۳۶

لیکن حدیث میں خلفاء راشدینؓ کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم آیا ہے نہ کہ سلطان عادل کی ۳۶

اس کے بدعت ہونے پر امام ابن حجر مکیؒ کا حوالہ ۳۷

یہ کارروائی بلا دلیل ہے اور اس سے منع کرنا چاہیئے ۴۰

شریعت کے مطلق احکام میں قید لگانا درست نہیں ۴۱

ذکر آہستہ بہتر ہے، حدیث شریف ۴۲

امام سخاویؒ نے اذان سے قبل و بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے پر اختلاف علماء ذکر کیا ہے ۴۴

امام سخاویؒ وغیرہ کا اس کو بدعت حسنہ کہنا بلا دلیل ہے ۴۵

اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف حافظ ابن کثیرؒ سے ۴۶

فرقہ ناجیہ کون ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے ۴۷

فرقہ غیر ناجیہ کون ہے؟ 〃 〃 〃 ۴۷

پیش لفظ

(طبع سوم)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۰

اَمَّا بَعْدُ :—

جوں جوں زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرونِ مشہود لہا بالخیر سے دور ہوتا جا رہا ہے، وُوں وُوں امورِ دین اور سُنّت میں رخنے پڑتے جا رہے ہیں۔ ہر گروہ اور ہر شخص اپنے من مانے نظریات و افکار کو خالص دین بنانے پر تُلا ہوا ہے، اور تمام نفسانی خواہشات اور طبعی میلانات کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دین اور سُنّت ثابت کرنے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہ اور ایسی ایسی باتیں دین اور کارِ ثواب قرار دی جا رہی

ہیں کہ سلفِ صالحین رح کے وہم و گمان میں بھی وہ نہ ہونگی حالانکہ دین صرف وہی ہے جو ان حضرات سے ثابت ہوا ہے اور انہی کے دامنِ تحقیق سے وابستہ رہنے میں نجات منحصر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح شرک و بدعت کی تردید فرمائی ہے، اتنی تردید کسی اور چیز کی نہیں فرمائی اور تمام بدعات اور مخترعات سے باز رہنے کی سختی سے تاکید فرمائی ہے اور خصوصاً وہ بدعات جو قیامت کے قریب رونما ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا آباءکم فایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم (مسلم جلد ۱ ص ۱ ومشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۸)

آخر زمانہ میں کچھ ایسے دجّال اور کذّاب ہوں گے جو تمھارے سامنے ایسی حدیثیں اور باتیں پیش کریں گے جو نہ تو تم نے سُنی ہوں گی اور نہ تمھارے آبا و اجداد نے۔ پس تم ان سے بچو اور ان کو اپنے قریب نہ آنے دو تاکہ وہ تمھیں نہ تو گمراہ کر سکیں اور نہ فتنے میں ڈال سکیں۔

اور اُن کی ایک روایت میں ہے :-

یأتونکم ببدع من الحدیث الحدیث (البدع والنہی عنہا ۲۷)

کہ تمہارے پاس وہ گھڑ گھڑ کر حدیثیں پیش کریں گے یا بدعات کا وجود حدیث سے ثابت کریں گے۔

اہلِ بدعت کے جتنے فرقے ہیں وہ اپنے مزعوم افعال کی بنیاد ایسی بے سروپا احادیث پر رکھتے ہیں جن کا معتبر کتب حدیث میں کوئی وجود نہیں اور اگر کہیں ہے بھی تو محدثین نے ان کو ضعیف اور معلول قرار دیا ہوتا ہے اور اہل بدعت ایسی ایسی بدعات آئے دن نکالتے رہتے ہیں کہ پہلے ان سے کوئی شناسا نہ تھا اور جیسے جیسے قیامت نزدیک آتی رہے گی، نئی نئی بدعات جنم لیتی رہیں گی اور سنّت منظومہ اٹھتی چلی جائے گی۔ فوا اسفاً۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ :-

ما یأتی علی الناس من عام الا احدثوا فیہ بدعۃ واماتوا فیہ سُنۃ حتّٰی تحیٰی البدع وتموت السنن (البدع والنہی عنہا ۳۰)

جو نیا سال لوگوں پر آئے گا اس میں وہ کوئی نہ کوئی نئی بدعت گھڑیں گے اور سُنّت کو مٹا دیں گے حتیٰ کہ بدعتیں زندہ کی جائیں گی اور سُنّتیں مٹ جائیں گی۔

للامام محمد بن وضاح القرطبی الاُندلسی رح
المتوفی ۲۸۷ھ طبع مصر

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔ اور یہ جو کچھ فرمایا بالکل بجا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:-

کیف انتم اذا البستکم فتنۃ یربو فیہا الصغیر ویہرم فیہا الکبیر وتتخذ سنۃ یجری علیہا فاذا غیر منہا شئی قیل غیرت السنۃ قیل متی ذلک یا ابا عبدالرحمٰن فقال اذا کثرت قراؤکم وقل فقہاءکم وکثرامراؤکم وقل امناءکم والتمست الدنیا بعمل الآخرۃ وتفقہ لغیر الدین

(البدع والنہی عنہا ص ۸۹)

تمہاری کیا حالت ہوگی جبکہ تم پر فتنہ چھا جائے گا۔ اس فتنہ میں بچے بڑے ہوں گے اور عمر رسیدہ بوڑھے ہو جائیں گے اور اپنی طرف سے ایک سُنّت گھڑی جائیگی جس پر عمل ہوتا رہے گا۔ جب اس کو بدلنے کی کوشش ہوگی تو کہا جائیگا، ہائے سُنّت بدل دی دریافت کیا گیا اے ابوعبدالرحمٰنؓ یہ کب ہوگا؟ فرمایا کہ جب تمہارے قاری زیادہ ہو جائیں گے اور فقیہہ کم ہوں گے اور مال زیادہ ہوگا اور امین کم ہوں گے اور آخرت کے عمل کے بدلہ

میں دُنیا طلب کی جائیگی اور دین کا علم
محض دنیا کمانے کا ذریعہ بن جائے گا۔
(یا دین کے علاوہ اور فنون میں مہارت
پیدا کی جائے گی)۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ :-

یکون فی آخر الزمان عبادٌ جُہّالٌ وقُرّاءٌ فسقۃ (حل۔ک۔ صحیح)

آخر زمانہ میں جاہل عابد ہوں گے اور فاسق قاری ہوں گے۔

(الجامع الصغیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ طبع مصر)

ظاہر بات ہے کہ جب عبادت کا شوق ہوگا اور علم نہ ہوگا، تو من مانی عبادات تراشیں گے اور بدعات گھڑیں گے۔

حضرت ابن مسعود رضؓ کی روایت حکماً مرفوع ہے اور اس میں بدعت کے بعض اسباب کا خوب نقشہ کھینچا گیا ہے۔ حضرت معاذ رضؓ بن جبل سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :-

تکون فتنۃ یکثر فیہا المال و یفتح فیہا القرآن حتّٰی یقرأہ المومن والمنافق والرجل و المرأۃ والصغیر والکبیر فیقرأہ

ایسا فتنہ برپا ہوگا جس میں مال زیادہ ہو جائے گا اور قرآن اس میں کھول کر پڑھا جائے گا۔ یہاں تک کہ مومن و منافق اور عورت و مرد اور

الرجل سِرًّا فلا یتبع فیقول ما اتبع فوالله لاقرأنّه علانیة فیقرأه علانیة فلا یتبع فیتخذ مسجدًا ویبتدع کلاما لیس من کتاب الله ولا من سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم فایاکم وایاه فانها بدعة ضلالة فایاکم وایاه فانها بدعة ضلالة فایاکم وایاه فانها بدعة ضلالة ثلاثا۔

(البدع والنہی عنہا ص۲۶)

چھوٹے اور بڑے تقریباً سبھی قرآن پڑھیں گے۔ سو ان میں ایک شخص آہستہ قرآن پڑھے گا تو اس کی پیروی نہیں کی جائے گی تو وہ کہے گا کہ کیوں میری بات نہیں مانی جاتی بخدا میں بلند آواز سے قرآن پڑھوں گا تو وہ چلا چلا کر قرآن پڑھے گا۔ پھر بھی لوگ اس کی طرف مائل نہ ہوں گے تو وہ الگ مسجد بنائے گا۔ اور ایسی ایسی بدعت کی باتیں ایجاد کرے گا کہ قرآن و سنت میں نہ ہوں گی تو تم اس سے بچو۔ اور اس کو اپنے نزدیک نہ آنے دو کیونکہ اس کی یہ کارروائی بدعت ضلالہ ہوگی۔ تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے۔

اور یہ روایت ان سے ان الفاظ سے بھی مروی ہے :-

فیوشك ان یقول قائل ما

قریب ہوگا کہ کہنے والا کہے گا کہ

للناس لایتبعونی وقد قرأت القرآن؟ ما لھم یتبعی حتّٰی ابتدع لھم غیرہ فایاکم وما ابتدع فان ما ابتدع ضلالۃ

(ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۷۶)

لوگ میری طرف مائل نہیں ہوتے حالانکہ میں بھی قرآن پڑھتا ہوں؟ کیوں یہ لوگ میری پیروی نہیں کرتے؟ یہاں تک کہ وہ ان کے لئے بدعت گھڑے گا۔ تاکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں۔ سو تم اس کی بدعت سے بچنا۔ کیوں کہ اس کی کارروائی نری بدعت ضلالہ ہوگی۔

الغرض بدعت اور بدعتی سے بچنے کی اشد تاکید آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہے اور بدعت کی ایسی نحوست پڑتی ہے کہ دُنیا میں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شفاعت سے محرُومی ہوتی ہے (العیاذ باللہ) چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ :-

ان اللہ احجز التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ (البدع والنہی

بیشک اللہ تعالےٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

عنہا ص۵۵ ومجمع الزوائد جلد ۱۰ ص۱۸۹)

ایک تو بدعت کی نحوست سے دل کی بصیرت اور نیکی کی استعداد مفقود ہو جاتی ہے اور دوسرے جب بدعتی بدعت کو دین اور کارِ ثواب سمجھے گا تو توبہ کیوں کرے گا؟

حضرت بکر بن عبداللہ المزنی رح سے روایت ہے کہ :-

ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال حلت شفاعتی لامتی الا صاحب بدعۃ (البدع والنہی عنہا) ص۳۶

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری ساری اُمّت کے لئے ثابت ہو گی، مگر بدعتی کے لئے نہیں ہو گی۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لئے تو آپ کی شفاعت ہو گی لیکن بدعتی کے لئے نہیں ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں بدعت کبیرہ گناہ سے بھی بدتر ہے، اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو تمام گناہوں سے اور خصوصاً شرک و بدعت سے محفوظ رکھے۔ بدعت تو بہت ہیں لیکن چند سالوں میں پاکستان میں جو بدعت وبا کی طرح پھیل گئی ہے وہ مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ، اذانوں سے قبل اور بعد چلّا چلّا کر درود شریف پڑھنے اور نمازوں کے بعد

جہر سے دُعا کرنے کی بدعت ہونے میں کوئی شُبہ نہیں ۔ علّامہ ابو اسحاق ابراہیم بن موسےٰ الشاطبی الغرناطی رح المتوفی ۷۹۰ھ لکھتے ہیں کہ :-

لوکان الاجتماع للدعاء اثرالصلوۃ جھرًا للحاضرین من باب البر والتقوٰی لکان اوّل سابق الیہ الکنہ لم یفعلہ اصلاً ولا احد بعدہٗ حتّٰی حدث ما حدث اھ (الاعتصام جلد ۱ ص ۳۰۲ طبع مصر)

اگر نماز کے بعد اجتماعی صُورت میں بلند آواز سے دُعا کرنا نیکی اور تقوےٰ کے باب سے ہوتا ، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس کو سب سے پہلے کرتے لیکن آپ نے ہرگز یہ کارروائی نہیں کی اور نہ آپ کے بعد (خیر القرون میں) کسی نے کی ہے ، یہاں تک کہ اب یہ بدعت ظہور پذیر ہوئی ہے ۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

واما ارتفاع الاصوات فی المساجد فناشئ عن بدعۃ الجدال فی الدین اھ (الاعتصام جلد ۲ ص ۷۹)

بہ حال مسجدوں میں چِلّا چِلّا کر آوازیں بلند کرنا تو یہ محض دین کے نام پر جھگڑے اور تعصّب کے لئے ایجاد کیا گیا ہے ۔

اہلِ بدعت حضرات کی طرف سے مسجدوں میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے اور جہر سے ذکر کرنے کے بارے میں ایک اشتہار شائع ہوا تھا جو گوجرانوالہ کے ایک خطیب صاحب نے شائع کیا تھا۔ اس کا نہایت محقق خالص علمی اور ٹھوس جواب ہمارے محترم دوست حضرت مولانا حافظ محمد سعید صاحب ارشد گجراتی کی کوشش اور سعی سے ایک بڑے اشتہار کی شکل میں طبع ہوا تھا، لیکن اس کا مواد زیادہ تھا۔ ہر آدمی اس کو آسانی سے نہیں پڑھ سکتا تھا۔ پھر اس کا خط اور کاغذ بھی معیاری نہ تھا۔ اب انجمن اسلامیہ گکھڑ اس کو کتابی شکل میں طبع کرا رہی ہے تاکہ عوام کو اس سے پورا فائدہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

فاضل مرتب سے بعض حوالوں میں اغلاط صادر ہوئے تھے اب حتی الوسع ان کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ تاہم اکثر انسان خطا سے معصوم نہیں ہیں علمی رنگ میں اغلاط کی نشان دہی کرنے والے دوستوں کا شکریہ ادا کیا جائے گا (انشاء اللہ العزیز) اور غل غپاڑہ مچانے والوں کا اس جہان میں کوئی علاج ہی نہیں، اس کا پتہ مرنے کے بعد چلے گا۔ انشاء اللہ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

احقر الناس: ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ۔

شعبان ۱۳۸۸ھ
نومبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ؛

اما بعد:-

جملہ اہلِ اسلام کے نزدیک یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر اس کی یاد اور اسی ہی سے اپنی تمام ضروریات مانگنا اور طلب کرنا نہ صرف یہ کہ اس کی محبت اور تقرب اور تعظیم کا ذریعہ ہے بلکہ ایک بہت بڑی عبادت بلکہ عبادت کا نچوڑ ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں ذکر اور دُعا کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے لے کر یہ نظریہ آج تک چلا آرہا ہے اور امت مرحومہ کے علماء حقانی شیوخ ربانی اور اہلِ اسلام ہمہ تن ذکر الٰہی میں مصروف چلے آرہے ہیں اور اب بھی بفضلہٖ تعالےٰ اس کے ذکر اور دُعا کو دینی اور دُنیوی کامیابیوں کا راز سمجھا جاتا ہے۔ کوئی مُسلمان اس میں ذرہ بھر تامّل کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے اور ہر مُسلمان اس کو نجاتِ اُخروی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور نصوصِ قطعیہ

کے پیش نظر ایسا سمجھنا بالکل صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ	اے ایمان والو جب تم (میدانِ جنگ
فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ	میں) فوج سے لڑو تو ثابت قدم رہو
كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝	اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ
(پ۱۰ - سورۃ الانفال رکوع ۶)	تم کامیاب رہو۔

یعنی تمھاری فلاح اور کامیابی کا سب سے بڑا راز ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد میں مضمر ہے اور جس کثرت سے تم اس کو یاد کرو گے تم پر رحمت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ جہاد اور لڑائی کرتے وقت بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ایک محبوب عمل ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضؓ لڑائی کے موقع پر آواز بلند کرنے کو پسند نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضؓ فرماتے ہیں کہ:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
وآلہ وسلم کان یکرہ الصوت	لڑائی کے وقت آواز بلند کرنے
عند القتال (مستدرک جلد	کو مکروہ سمجھتے تھے۔
ص۱۳۶ قال الحاکم والذہبی صحیح)	

اور حضرت قیس بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ :-

کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکرھون الصوت عند القتال۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ لڑائی کے وقت آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے

(مستدرک جلد ۲ ص ۱۲۶ سکت عنہ الحاکم وقال الذہبی ھذا صحیح)

اس سے ثابت ہوا کہ لڑائی کے وقت بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو مگر آہستہ (نعرہ تکبیر کا مسئلہ الگ ہے) اور قرآن کریم میں بے شمار مقامات میں ذکر کی فضیلت آئی ہے اور ذکر کرنے والوں کو بشارت اور مژدہ سنایا گیا ہے اور عقلمندوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ اَلْآیَۃ (پ۴، العمران رکوع ۲۰)	کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

یعنی کسی حالت میں بھی وہ یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتے، اور ان کا سب سے لذیذ مشغلہ ہی ذکر الٰہی ہوتا ہے اور ان کی زبان ہر وقت اس کے ذکر اور یاد میں سرگرم عمل رہتی ہے۔ احادیث میں ذکر اللہ کی ایسی تاکید اور اتنی فضیلت آئی

ہے کہ اس کے بیان کے لئے عمرِ نوحؑ اور دفتر کے دفتر درکار ہیں۔ جن محدثین کرامؒ نے ذکر کی فضیلت پر الگ اور مستقل کتابیں لکھی ہیں ان کا قصہ ہی چھوڑیئے۔ صحاح ستہ ہی میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ بھی اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے لئے بھی سفینوں کے سفینے درکار ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (متفق علیہ مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۹۶)

جو شخص اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال مُردہ کی ہے۔

اور ایک حدیث میں یوں آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا :۔

اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَاَرْفَعُ دَرَجَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتُ (الحدیث) مسند احمد ذرندی مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۹۸)

کہ قیامت کے دن بندوں میں کس کی فضیلت زیادہ اور کس کا درجہ بلند ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو مرد اور عورتیں اللہ تعالےٰ کو زیادہ یاد کرتے ہیں۔

اور ایک حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے۔ آنحضرت
ی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا :-

ئُ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ
ارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُکَ
طْبٌ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔
مسند احمد و ترمذی، مشکوٰۃ جلد ص۱۹۸)

کہ افضل ترین عمل کونسا ہے؟
آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس
حالت میں دُنیا سے جُدا ہو کہ
تمھاری زبان اللہ تعالےٰ کے
ذکر سے تَر ہو۔

غرضیکہ بکثرت روایات ذکر اور یاد الٰہی کی فضیلت
ں وارد ہُوئی ہیں۔
عا :-
جس طرح اللہ تعالےٰ کا ذکر عبادت ہے، اسی طرح
ں کرنا اور اللہ تعالےٰ سے منّت بھی بڑی عبادت ہے
نانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ
لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ
یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ
سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔

اور کہا تمھارے رَب نے مجھ کو
پکارو کہ پہنچوں میں تمھاری پکار
کو، بیشک جو لوگ تکبّر کرتے ہیں
میری عبادت (پکار) سے وہ عنقریب داخل

(پ ۲۴-المومن-رکوع ۶) ہونگے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ دعا کرنے اور اللہ تعالےٰ سے مانگنے اور سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں تو وہ جہنّم کے مزا اور ہیں اس سے بڑھ کر دعا اور پکار کی اور کیا تاکید ہو سکتی ہے؟ اور کتُب حدیث میں بے شمار حدیثیں دعا کی مزیت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ یک حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ :-

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ اللہ تعالےٰ سے دعا کرنا اور مانگنا

(ترمذی، مشکوٰۃ جلد ا صـ۱۹۴) عبادت کا خلاصہ ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ :-

لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ کہ دعا سے زیادہ پیاری اور محبوب

مِنَ الدُّعَآءِ (ترمذی، ابن چیز اللہ تعالےٰ کے نزدیک اور

ماجہ، مشکوٰۃ۔ جلد ا صـ۱۹۴)۔ کوئی نہیں ہے۔

بلکہ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ :-

مَنْ لَّمْ یَسْاَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں

عَلَیْہِ (ترمذی جلد ۲ صـ۱۷۳) کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ :-

مَنْ لَّا یَدْعُوا اللّٰہَ یَغْضَبْ جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا تو وہ

عَلَیْہِ (مستدرک جلد ۱ ص ۴۹۱) اس سے ناراض ہوتا ہے۔

کیونکہ خزانے صرف اسی کے پاس ہیں تو جو شخص اس قادرِ مطلق کے خزانے اور اس کا در چھوڑ کر کہیں اور ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے تو وہ اس سے یقیناً ناراض ہوتا ہے کہ وہ قادر کو چھوڑ کر عاجز کے پیچھے بھاگتا ہے۔

درُود شریف:

جس طرح ذکر اور دُعا عبادت ہے اِسی طرح درُود شریف بھی ایک عمدہ ترین عبادت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (پ ۲۲۔ الاحزاب رکوع ۷)۔

بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں رسول پر، (پس) اے مومنو! تم بھی صلوٰۃ بھیجو اس پر اور سلام بھیجو، سلام کہہ کر۔

صلوٰۃ کی اضافت جب اللہ تعالےٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مُراد رحمت ہوتی ہے اور جب فرشتوں کی طرف اضافت ہوتی ہے تو اس سے مُراد دُعاءِ رحمت ہے۔ اِسی

طرح مومنوں کی طرف بھی صلوٰۃ کی اضافت طلبِ رحمت کے معنی میں ہے یعنی خداوند تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور آپ کی ثنا اور اعزاز و اکرام کرتا ہے اور فرشتے بھی طلبِ رحمت کی دُعا کرتے ہیں سو تم بھی آپ کے لئے اللہ تعالےٰ سے رحمت کے نزول کی دُعا کرو اور حدیث شریف میں درُود شریف کی جو شان اور درجہ بیان ہوئے ہے وہ احصاء و شمار سے باہر ہے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ :-

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا (مسلم جلد ۱ ص۱۷۵ مشکوۃ جلد ۱ ص۸۶)

جس نے مجھ پر ایک دفعہ درُود شریف پڑھا تو اللہ تعالےٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔

اور ایک حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ :-

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحَطَّ عَنْہُ عَشْرَ خَطِیْئَاتٍ (مستدرک جلد ۱ ص۵۵۸ صحیح)

جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھا تو اللہ تعالےٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور اس کے دس گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اور ایک حدیث شریف میں اس طرح آتا ہے کہ :-

مَا جَلَسَ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ

جو قوم اللہ تعالےٰ کے ذکر کے لئے

لَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَّا كَانَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ تِرَةً۔

الحدیث (مستدرک جلد ۱ صفحہ ۵۵۰ صحیح و مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۸)

بیٹھی ہو اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا ہو تو وہ مجلس اس کے لئے باعث وبال ہوگی۔

الغرض درود شریف کی بڑی ہی تاکید اور فضیلت آئی ہے کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ذکر اللہ اور درود شریف کے پاک الفاظ سے ہر وقت اپنی زبانوں کو تر رکھتے ہیں اور تقرب خداوندی کے زینوں پر دم بدم چڑھتے رہتے ہیں۔

ذکر کا طریقہ۔

قرآن کریم صحیح احادیث اور جمہور امت کے متفقہ فیصلہ سے یہ ثابت ہے کہ ذکر آہستہ، عاجزی اور انکساری کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ۔

اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو صبح کے وقت اور شام

(پ۹۔ الاعراف - رکوع ۲۴) کے وقت اور نہ ہو غافلوں میں سے۔

اِس آیتِ کریمہ سے روزِ روشن کی طرح یہ معلوم ہوا کہ ذِکر دِل میں کرنا چاہیئے اور جہر کے ساتھ ذکر کو رَبُّ العِزّت نے پسند نہیں فرمایا اِلّا یہ کہ خود شریعت سے کسی خاص موقع پر ثابت ہو اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے صحابہ کرام رضؓ نے ایک موقع پر بلند آواز سے ذکر کیا تو آپ نے ان کو اس سے منع کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ :-

اَیُّھَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ	اے لوگو! اپنی جان پر نرمی کرو تم
لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا	اس ذات کو تو نہیں پکار رہے
غَائِبًا اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا	ہو جو بہری اور غائب ہو (بلکہ) تم
قَرِیْبًا وَھُوَ مَعَکُمْ۔	تو سمیع اور بصیر کو پکار رہے ہو جو
(بخاری جلد ۲ ص ۶۰۵ و مسلم جلد ۲ ص ۳۴۶	تمہارے ساتھ ہے۔

واللفظ لہ)

یہ حدیث بھی اِس امر کی دلیل ہے کہ ذکر بالجہر کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے پسند نہیں فرمایا۔ امام نووی رح اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

فیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اذا لم تدع

حاجۃ الی رفعہ۔ (شرح مسلم جلد ۲ صـ ۳۲۶

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کا کوئی داعیہ پیش نہ آئے تو آہستہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے۔ اور چاروں امام حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے متبعین اس بات پر متفق ہیں کہ ذکر آہستہ ہی بہتر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ :-

وقال ابن بطالؒ المذاهب الاربعة على عدم استحبابه (البدایہ والنہایہ جلد ۱ صـ ۲۷ وهامش بخاری جلد ۱ صـ ۱۱۶) امام ابن بطالؒ نے فرمایا کہ چاروں مذہب اس پر متفق ہیں کہ جہر سے ذکر کرنا مستحب نہیں ہے۔ یہ حوالہ بالکل واضح ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :-

والمختار ان الامام والماموم يخفيان الذكر الا اذا احتيج الى التعليم (فتح الباری جلد ۲ صـ ۲۵۹)

کہ مختار امر صرف یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ ذکر کریں ہاں جب کہ تعلیم کی ضرورت پیش آئے تو جہراً بات ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ ذکر کے متعلق ضابطہ بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ :-

ولابی حنیفۃؒ ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ مخالف للامر فی قولہ تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ اِلَّا ماخُصَّ بالاجماع (کبیری ص۵۶۶)

کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالےٰ کے اس قول کے مخالف ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو بے شک وہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں البتہ وہ ذکر جس کا جہر اجماع سے ثابت ہو۔

اور قاضی ثناءاللہ صاحب الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :-

ثم اجمع العلماء علیٰ ان الذکر سرًا ھو الافضل والجھر بالذکر بدعۃ اِلَّا فی مواضع مخصوصۃ مسّت الحاجۃ فیھا الی الجھر بہ کالاذان والاقامۃ وتکبیرات التشریق وتکبیرات

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آہستہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے مگر ان مقامات پر جہاں جہر کی (شرعی) ضرورت پیش آئے مثلاً اذان اور اقامت اور ایام تشریق (یعنی بڑی عید کے

الانتقالات فی الصلوٰۃ للامام والتسبیح للمقتدی اذا ناب نائبۃ والتلبیۃ فی الحج ونحو ذلك (تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۴۰۸)

دنوں کی تکبیریں) اور امام کے لئے نماز میں رکوع اور سجود وغیرہ کی طرف انتقال کی تکبیریں یا امام بھول جائے تو مقتدی کو سبحان اللہ کہنا یا حج کے موقع پر لبیک کو بلند آواز سے پڑھنا وغیرہ۔

اور حدیث شریف میں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے کہ:-

وظہرت الاصوات فی المساجد (ترمذی، مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۷۰)

مسجدوں میں آوازیں بلند اور ظاہر ہوں گی۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی ان القاری رح لکھتے ہیں کہ:-

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام (مرقات جلد ۵ ص ۱۷۷)

ہمارے بعض علماء نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو، حرام ہے۔

تعجّب اور حیرت ہے کہ اپنے کو حنفی کہلانے والے قرآن و حدیث سے قطع نظر فقہاء احناف رح کی تصریحات کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر مسجدوں کی بے حرمتی کرتے کرتے ہیں اور پھر بھی حنفی بنے ہوئے ہیں اور اس پر ثواب کے امیدوار ہیں۔ حضرت ملا علی ابن القاری رح نے حضرات صحابہ کرام رض کی سادہ اور سنّت کے مطابق زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے (اقلها تکلفاً کی شرح میں) یہ بھی لکھا ہے کہ :

ولا یتحلقون للاذکار والصلوٰة نبرفع الصوت فی المساجد ولا فی بیوتهم (مرقات)

وہ مسجدوں اور گھروں میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور درود شریف پڑھنے کے لئے کوئی حلقہ نہ قائم کرتے تھے۔

دُعا :-

اگرچہ ذکر اور دعا کا مآل ایک ہی ہے لیکن لفظی فرق کے پیشِ نظر دُعا کا شرعی طریقہ بھی سُن لیجئے۔ ابھی قرآنِ کریم کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ اپنے رب کو عاجزی سے آہستہ پکارو امام نووی رح لکھتے ہیں کہ :-

اما الدعاء فیسر به بلاخلاف

اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں

(شرح مسلم جلد ۱ ص ۳۱) کہ دُعا آہستہ کرنی چاہیئے۔

اور امام سراج الدین الحنفی رح اور ملا علی ن القاری رح لکھتے ہیں کہ:

یستحب فی الدعاء الاخفاء و رفع الصوت بالدعاء بدعۃ (فتاوٰی سراجیہ ص ۲۷ وموضوعات کبیر ص ۱۷)

دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ آہستہ کی جائے اور بلند آواز سے دُعا کرنا بدعت ہے۔

اور حضرت شاہ وَلی اللہ صاحبؒ امام حسن بصری رح کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

ان رفع الصوت بالدعاء بدعۃ (بلاغ المبین ص ۶۷)

بلند آواز سے دُعا کرنا بدعت ہے۔

ان تمام مٹھوس حوالوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ذکر اور دُعا بلند آواز سے بدعت ہے۔

درُود شریف

عرض کیا جا چکا ہے کہ درُود شریف کا پڑھنا ایک بہت بڑی عبادت اور تقرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے لیکن اسی طریق سے جس طرح کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اور خیر القرون میں پڑھا جاتا تھا نہ تو درُود شریف کے حلقے باندھے جاتے

تھے اور نہ بلند آواز سے پڑھا جاتا تھا جیسا کہ مرقات کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور فقہ حنفی کی مستند کتاب میں ذکر بالجہر کے بارے میں لکھا ہے :-

عن فتاوی القاضی انه حرام لما صح عن ابن مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی صلی الله علیه وسلم جهرًا وقال لهم ما اراکم الا مبتدعین۔

(شامی جلد ۵ ص۵۰)

قاضی صاحبؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ ذکر بالجہر حرام ہے کیونکہ صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے اسلئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الٰہ اور درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تو تمھیں بدعتی ہی سمجھتا ہوں۔

دیکھئے کہ جلیل القدر صحابی نے جو کوفہ کے گورنر تھے بلند آواز سے ذکر کرنے والوں اور بلند آواز سے درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال دیا تھا اور فرمایا کہ تم بدعتی ہو۔ اگر اس فعل کی کچھ بھی گنجائش ہوتی تو موصوف ایسا کبھی نہ کرتے حیرت ہے کہ اس وقت پڑھنے والے بھی ہوتے تھے۔ درود شریف بھی

تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ عشق و محبت بھی بدرجۂ اتم تھی مگر گلے پھاڑ پھاڑ کر درود شریف پڑھنے کا نہ صرف یہ کہ تصوّر ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کو بدعت اور پڑھنے والوں کو بدعتی سمجھتے تھے اور مسجدوں سے نکال دیا کرتے تھے۔ جب اس وقت بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنا کارِ ثواب نہ تھا تو آج کیوں یہ کارِ ثواب ہو گیا ہے؟ کیا اہل بدعت پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ (معاذ اللہ)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد تو یہ ہے کہ نجات صرف اس فرقہ کو ہوگی جو ماانا علیہ و اصحابی (جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں) پر گامزن ہوگا۔ اہلِ بدعت سوچ لیں کہ وہ کس راستہ پر چل رہے ہیں۔ سچ ہے کہ ؏

کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

اذان کے بعد بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی بدعت

یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ اذان سے قبل یا اذان کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا رواج نہ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں تھا اور نہ خلفاء

راشدین رضؓ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں تھا اور نہ خیر القرون میں کوئی شخص اس بدعت سے واقف تھا اور نہ ائمہ اربعہؒ میں سے کسی بزرگ نے یہ کارروائی کی اور نہ اس کا فتویٰ دیا، بلکہ تقریباً سات سو نوّے ہجری تک کسی بھی مقام پہ یہ بدعت رائج نہ تھی۔ اس بدعت کی ابتدا کب ہوئی اور کس نے کی؟ اس میں قدرے اختلاف ہے لیکن قدرِ مشترک یہ ہے کہ اس کی ابتدا مصر میں ۹۱۰ھ ہجری میں ہوئی اور اس وقت رافضیوں کی حکومت تھی۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء سیوطیؒ ص۴۹۸، درمختار جلد ۱ ص۶۴ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۱۲ میں اس کی تصریح ہے کہ اس کی ایجاد ۹۱۰ھ کو ہوئی اور درمختار میں ۹۸۱ھ لکھا ہے۔

اصل واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک جاہل صوفی نے یہ طریقہ خواب میں دیکھا (حالانکہ مدارِ شریعت خوابوں پر نہیں ہے اور نہ وہ شرعاً حجت ہیں) تو مصر کے ایک ظالم اور راشی حاکم کے سامنے پیش کیا۔ اس نے قانوناً یہ بدعت جاری کر دی۔ چنانچہ علامہ مقریزیؒ فرماتے ہیں کہ:-

فمضی الیٰ محتسب القاهرة	وہ جاہل صوفی قاہرہ کے محتسب کے
وهو یومئذٍ نجم الدین محمد	پاس گیا ہو۔ اس وقت نجم الدین

الطنبدی وکان شیخا جهولا
سئی السیرۃ فی الحسبۃ
والقضأ متهافتاً علی الدرهم
ولو قادہ الی البلأ لا یحتشم
من اخذ البرطیل والرشوۃ
ولا یراعی فی مؤمن اِلّاً وَلَا
ذِمَّۃً قد جرئ علی الاٰثام و
تجسد من اکل الحرام یری
ان العلم ارخاء العذبۃ ولبس
الجبّۃ ویحسب ان رضأ اللّٰہ تع
فی ضرب العباد بالدرۃ وولایۃ
الحسبۃ وجهالاتہ شائعۃ وقبائح
افعالہ ذائعۃ۔
(بحوالہ الابداع فی مضار الابتداع ص ۱۶۱)

محمد طنبدی تھا جو ایک جاہل شیخ تھا۔
قضا اور محاسبہ میں بداخلاق تھا۔
ایک ایک درہم پر جان دیتا تھا
اور کمینگی اور بے حیائی کا پُتلہ تھا
حرام اور رشوت لینے سے دریغ
نہیں کرتا تھا اور کسی مومن کی
قرابت اور ذمّہ کا پاس اس کو
نہ تھا۔ گناہوں پر بڑا حریص تھا
اور اس کا جسم مال حرام سے پلا
ہُوا تھا۔ اس کے نزدیک علم کا
کمال بس دَستار و جُبّہ تھا اور یہ
سمجھتا تھا کہ رضاء الٰہی اللہ تعالیٰ کے
بندوں کو کوڑے لگانے اور عُہدۂ
قضاء پر برابر جما رہنے سے ہے اس
کی جہالتوں کے قصّے اور اس کے
گندے افعال کے قصّے مُلک
میں مشہُور تھے۔

علامہ طحطاویؒ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ کارروائی محمد الطبندی کے حکم سے ہوئی۔

(طحطاوی ص۱۰۴ طبع مصر)

امام عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قال شیخنا رضی اللہ عنہ لم یکن التسلیم الذی یفعلہ المؤذنون فی ایام حیواتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا الخلفاء الراشدین قال کان فی ایام الروافض بمصر شرعوا التسلیم علی الخلیفۃ ووزرائہ بعد الاذان الی ان توفی الحاکم بامر اللہ وولوا اختہ فسلموا علیہا وعلی وزرائہا من النساء فلما تولی الملک العادل صلاح الدین بن ایوب فابطل ھذہ البدع وامر المؤذنین بالصلوٰۃ والتسلیم علی رسول اللہ

ہمارے شیخ نے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو، یہ فرمایا کہ یہ سلام کہنا جیسا کہ مؤذن اب کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضؓ کے زمانہ میں نہ تھا اور فرماتے ہیں کہ یہ رافضیوں کے دور میں مصر میں رائج ہوا کہ انھوں نے اپنے خلیفہ اور اس کے وزراء پر اذان کے بعد سلام کہنا شروع کیا یہاں تک کہ حاکم بامر اللہ کا انتقال ہو گیا اور لوگوں نے اس کی بہن کو اقتدار سونپا تو اس پر اور اس کی وزراء عورتوں پر مؤذن

علیه وسلّم بدل تلك البدعة
واصریها اهل الامصار
والقُرٰی فجزاه الله خیـــرًا
(کشف الغمہ جلد ۲ ص ۷۵ طبع
سنہ ۱۳۷۰ھ)

یہ سلام کرتے رہے جب عادل
بادشاہ صلاح الدینؒ بن ایوبؒ
کے ہاتھ اقتدار آیا تو اس نے
اس بدعت کو ختم کر دیا اور مؤذنوں
کو حکم دیا کہ اس بدعت کی جگہ وہ
آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ
و سلام پڑھا کریں اور شہروں اور
دیہاتوں کے باشندوں کو اس
نے اس کا حکم دیا - اللہ تعالےٰ
اُن کو بہتر جزا دے -

اس سے معلوم ہوا کہ یہ معہود صلوٰۃ و سلام نہ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں تھا اور نہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے دورِ مسعود میں بلکہ اس کی ابتداء مصر میں اس زمانہ میں ہوئی جب کہ وہاں رافضیوں کا اقتدار تھا - انھوں نے مکّہ مصر اور اس کی وزراء عورتوں پر سلام کہنا جاری کر دیا - جب عادل بادشاہ سلطان صلاح الدینؒ کا دور شروع ہوا تو اُنھوں نے اس بدعت کو ممنوع قرار دے کر اس کے بجائے مصر

کے شہروں اور دیہاتوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام کا حکم دے دیا۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس بدعت نے مصر میں اس طرح وبا کی شکل اختیار کر لی تھی کہ اس کو یک قلم ممنوع قرار دینا ملک عادل کے بس میں بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے غالباً اس قاعدہ کے پیشِ نظر اذا ابتلیتم ببلائین فاختروا اھونھما کہ جب تم دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ تو ان دونوں میں سے ہلکی کو اختیار کر لو۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام کو جاری کیا تاکہ ملک میں ہیجان پیدا نہ ہو اور نہ خلفشار کی نوبت آئے اور اس طرح روافض کی جاری کردہ بدعتِ ضلالہ ختم ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو اُمّت کو ملک عادل کی اتباع کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ حکم تو یہ دیا ہے کہ میری اور میرے خلفاء راشدین رض کی سُنّت کو مضبوطی سے پکڑو اور خود اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ یہ کارروائی نہ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وقت ہوئی اور نہ حضرات خلفاء راشدین کے دور میں، حالانکہ اس وقت اذان بھی ہوتی تھی۔ مسجدیں بھی تھیں پڑھنے والے بھی ہوتے تھے اور ان میں محبت بھی کمال درجہ

کی ہوتی تھی پھر وہ کون سی نئی مجبوری لاحق ہو گئی کہ اس بدعت پر عمل کرنے کی شرعی ضرورت پیش آ گئی ؟ امام ابن حجر المکی رح فرماتے ہیں کہ :-

قد احدث المؤذنون الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعۃ فانہم یقدمون ذلک فیہما علی الاذان والا المغرب فانہم لا یفعلونہ غالبًا لِضیق وقتہا وکان ابتداُ حدوث ذلک فی ایام السلطان الناصر صلاح الدین بن ایوب ویامرہٖ فی مصر واعمالہا وسببہ ذلک ان الحاکم المخذول لما قتل امرت اختۃ المؤذنین ان یقولوا فی حق ولدہٖ السلام علی الامام الطاہر ثم استمر

بلاشبہ مؤذنوں نے فرضی نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے مگر صبح اور جمعہ کی اذان سے پہلے وہ یہ کارروائی کرتے ہیں اور مغرب کے وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے وہ غالبًا نہیں پڑھتے اور اس کی ابتدا سلطان ناصر صلاح الدین رح بن ایوب رح کے دور میں اور اسکے حکم سے مصر اور اس کے قلمرو میں ہوئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حاکم مخذول قتل کر دیا گیا تو اس کی بہن نے مؤذنوں کو

السلام علی الخلفاء بعدہٗ الیٰ
ان ابطلہ صلاح الدین المذکور
وجعل بدلہ الصلوٰۃ والسلام
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم
فنعم ما فعل فجزاہ اللہ خیرًا
ولقد استفتی مشائخنا وغیرھم
فی الصلوٰۃ والسّلام علیہ صلی
اللہ علیہ وسلم بعد الاذان
علی الکیفیۃ التی یفعلھا المؤذنون
فافتوا بان الاصل سنتہ
والکیفیۃ بدعت وھو ظاھر
کما علم مما قررتہ من الاحادیث

(الفتاوی الکبریٰ الفقہیۃ جلد ص ۱۳۱)

حکم دیا کہ وہ اس کے لڑکے کے
حق میں یوں سلام کہیں السلام
علی الامام الطاہر پھر اس کے
بعد اور حکمرانوں پر بھی یہ سلام ہوتا
رہا۔ یہاں تک کہ صلاح الدین رح نے
اس کو ختم کیا اور اس کے عوض
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر
صلوٰۃ و سلام جاری کیا۔ اس کا
یہ فعل کیا اچھا ہے۔ سو اللہ تعالےٰ
اس کو جزائے خیر عطا فرمائے اور
ہمارے مشائخ اور اسی طرح
دوسرے بزرگوں سے اس کے
بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا کہ اذان
کے بعد اس کیفیت سے جس طرح
کہ اب مؤذن آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے
ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ تو انھوں

نے یہ فتوی دیا کہ نفس درود شریف تو
سنّت ہے مگر اس کیفیت
سے پڑھنا بدعت ہے اور
یہ بالکل ظاہر ہے جیسا کہ میں نے
احادیث سے اس کو ثابت
کر دیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فجزاہ اللہ خیرًا کا جملہ دعائیہ صرف اس فعل سے متعلق ہے کہ سلطان صلاح الدینؒ نے فسّاق وفجّار حکّام پر سلام کے طریقہ کو بند کر دیا تھا اور معہود تسلیم سے اس جملہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آگے مشائخ کے حوالہ اور ان کے فتوی سے اذان کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نفس صلوۃ و سلام کو سنّت اور مروّجہ کیفیت کو بدعت لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ بالکل ظاہر ہے۔ جیسا کہ احادیث سے اس کا ثبوت ہو چکا ہے۔ جن لوگوں نے جملہ دعائیہ کو اجراء تسلیم علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بھی لگایا ہے، تو انھوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور سب عبارت کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالٰی ان کم فہموں کو فہم عطا فرمائے اور اس سے قبل انھوں

نے صلوٰۃ و سلام کی چند احادیث بیان کی ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ :-

وورد ت احادیث اُخر بنحو تلك الاحادیث السابقة و لم نر فی شئ منها التعریض للصلوٰة علیه صلی الله علیه وسلم قبل الاذان ولا الی محمد رسول الله بعده ولم نر ایضاً فی کلام ائمتنا تعرضا لذالك ایضاً فحینئذٍ کل واحد من هذین لیس بسنة فی محله المذکور فیه فمن اتی بواحدٍ منهما فی ذلك معتقدا سنیته فی ذلك المحل المخصوص نهی عنه ومنع منه لانه تشریع بغیر دلیل ومن شرع بلا دلیل یزجر عن ذلك وینهی عنه۔

(جلد ۱ صـ ۱۳۱)

ان گزشتہ احادیث کی طرح اور بھی اس مضمون کی کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور ہم نے ان میں سے کسی میں یہ اشارہ نہیں دیکھا کہ اذان سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھ جائے اور نہ یہ کہ اذان کے بعد محمد رسول اللہ کے الفاظ پڑھے جائیں اور ہم نے اپنے اماموں کے کلام میں بھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے اس سے کچھ تعرض کیا ہو۔ اندریں حالات یہ دونوں باتیں اس مذکور مقام میں سنت نہیں (بلکہ بدعت) ہیں۔ سو جس شخص نے ان میں سے کوئی ایک بات بھی سنت سمجھ کر اس مخصوص محل میں کی تو اُسے

منع کیا جائیگا اور روکا جائیگا کیونکہ
یہ بلا دلیل شریعت بنانا ہے اور
جو شخص بغیر دلیل کے شریعت
بنائے تو اس کو اس سے ڈانٹا جائیگا
اور روکا جائے گا۔

ملاحظہ کیجئے کہ کس صفائی سے امام ابن حجر رح نے اس بدعت کو روکنے کی سعی اور جرأت کی ہے۔

مطلق درود شریف اور ذکر کی فضیلت کی حدیثوں سے اذانوں اور نمازوں سے قبل یا بعد جہراً پڑھنے پر استدلال کرنا اپنی غیر معصوم رائے سے دین میں دخل دینا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو اسحاق الشاطبی رح (المتوفی ۷۹۰ھ) ایک خاص مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

فالتقييد فى المطلقات التى لم يثبت بدليل الشرع تقييدها رأى فى التشريع فكيف اذا عارضه الدليل وهو الامر باخفاء النوافل

ان مطلق احکام میں قید لگانا جن میں شریعت کی طرف سے کوئی قید لگانا ثابت نہیں ہے۔ شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔ پھر اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔

مثلاً۔ جبکہ اسکے مقابلہ میں دلیل موجود ہو
(الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۲۸۴ طبع مصر) مثلاً نفلوں کو مخفی کرکے ادا کرنا۔

اسی طرح ذکر وغیرہ کا معاملہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ :۔

خیرالذکر الخفی وخیرالرزق ما یکفی۔ (حم، حب، هب، عن سعدؓ صحیح الجامع الصغیر ۲/۵) بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہتر رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

اگر ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ درست بھی ہو تو اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ آہستہ ذکر کرنا بہرحال بہتر ہے اور ترجیح اس کو ہے۔ کیونکہ یہ ریاء سے بھی بعید ہے اور نمازیوں، سونے والوں، مطالعہ کرنے والوں اور بیماروں کو اس طرح سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

اور امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

قد احدث المؤذنون الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح مؤذنوں نے پانچ فرضی نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے مگر صبح اور جمعہ

والجمعة فانهم يقدمون ذلك فيهما على الاذان والا المغرب فانهم لا يفعلونه اصلا لضيق وقتها وكان ابتداء حدوث ذلك من ايام السلطان الناصر صلاح الدين ابي المظفر يوسف بن ايوب وامره و اما قبل ذلك فانه لما قتل الحاكم بن العزيز امرت اخته ست الملك ان يسلم على ولده الظاهر فسلم عليه بما صورته السلام على الامام الظاهر ثم استمر السلام على الخلفاء بعده خلفا عن سلف الى ان ابطله الصلاح المذكور جوزي خيرًا وقد اختلف في

کے موقع پر وہ یہ کارروائی ذان کے پہلے کرتے ہیں اور مغرب کے وقت بالکل نہیں کرتے۔ کیونکہ اس کا وقت تنگ ہوتا ہے اور اس کی ابتداء سلطان صلاح الدین ابوالمظفر یوسف بن ایوب کے دور میں اور اس کے حکم سے ہوئی کیونکہ جب حاکم ابن عزیز قتل ہوا تو اس کی بہن ست الملک نے حکم دیا کہ اس کے لڑکے ظاہر[1] پر اس طرح سلام کہا جائے۔ السلام علی الامام الظاہر پھر اس کے بعد حکم انوں پر یکے بعد دیگرے سلام کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ صلاح الدین مذکور نے اس کو بند کر دیا۔ اس کو جزائے خیر ملے۔ اور بیشک اس کے بارے میں اختلاف

---

[1] پتہ یہ لفظ ظاہر گزرا ہے اور اب ظاہر۔ ظاہر نسخہ کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم

ذٰلک ھل ھو مستحب او مکروہ او بدعۃ او مشروع واستدل للاول بقولہ تعالیٰ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ و معلوم ان الصلوٰۃ والسلام من اجل القرب لاسیّما وقد تواردت الاخبار علیٰ الحث علیٰ ذٰلک مع ما جاء فی فضل الدعاء عقب الاذان والثلث الاخیر من اللیل وقرب الفجر والصواب انہ بدعۃ حسنہ یوجر فاعلہ بحُسن نیّتہ اھ (القول البدیع صـ۱۴۴ طبع الہ آباد الھند)

کیا گیا ہے کہ کیا وہ مستحب ہے یا مکروہ یا بدعت یا محض جائز اور اس کے مستحب ہونے کے لئے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا گیا ہے کہ تم بھلائی کرو اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ وسلام بڑی عبادات میں سے ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کی ترغیب پر حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور علاوہ ازیں اذان کے بعد اور سحری کے وقت اور فجر کے قریب دعا کی فضیلت کی حدیثیں بھی آئی ہیں اور درست بات یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جوزی خیراً کے جملہ دعائیہ کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ سلطان صلاح الدین رح نے ظالم اور عیّاش بادشاہوں پر سلام کی بدعت کو ختم کیا

تھا۔ رہا آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم پہ اذانوں کے بعد صلوٰۃ و سلام کا معاملہ، تو وہ اس کے بارے میں علماء کرام سے چار قسم کا اختلاف نقل کرتے ہیں کہ کسی نے اس کو مستحب کہا اور کسی نے مکروہ۔ کسی نے اسے بدعت کہا اور کسی نے صرف جائز اور اپنی رائے بدعت حسنہ ہونے کی بیان کی۔ بشرطیکہ اس کا فاعل نیک نیّتی سے یہ کام کرتا ہو اور دلیل یہ بیان کی کہ یہ بھی ایک خیر ہے اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ کہ تم بھلائی کیا کرو اور بکثرت حدیثیں صلوٰۃ و سلام کے فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور اذان کے بعد اور سحری کے وقت اور فجر کے وقت دُعا کی فضیلت آئی ہے۔ مگر امام سخاویؒ نے یہ جو کچھ بیان کیا ہے، دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے۔ کیوں کہ صلوٰۃ و سلام کی فضیلت کا کون مُسلمان منکر ہے؟ اور اسی طرح سحری کے وقت اور بوقت فجر دُعا کی فضیلت کا جو احادیث سے ثابت ہے کون انکار کرتا ہے؟ دعوےٰ اور سوال تو یہ ہے کہ بلند آواز سے جو گلے پھاڑ پھاڑ کر اذانوں سے پہلے یا بعد صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے اِس کی کون سی دلیل ہے؟ اور اِس کی

فضیلت پر کون سی حدیث وارد ہوتی ہے۔ امام سخاویؒ وہ نہیں پیش کر سکے۔ اگر یہ فعل وَافْعَلُوا الْخَيْرَ سے ثابت ہوتا تو حضرات خلفاء راشدین رضؓ اور صحابہ کرام رضؓ اور خیر القرون کے سلفِ صالحین پر یہ عقدہ کیوں نہ کھلا؟ کیا ان کے سامنے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ کا قرآنی مضمون نہ تھا؟ اگر یہ کارروائی خیر ہوتی تو وہ حضرات کبھی اس سے نہ چوکتے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ :-

واما اهل السنة والجماعة فيقولون فی کل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضی الله عنهم هو بدعة لانه لو کان خيرًا لسبقونا اليه لانهم لم يترکوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صـ ۱۵۲)	بہرحال اہلسنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو فعل اور قول حضرات صحابہ کرام رضؓ سے ثابت نہ ہوا ہو تو وہ بدعت ہے کیونکہ اگر وہ خیر اور بہتر ہوتا تو ضرور وہ ہم سے اس کے کرنے میں سبقت لے جاتے۔ کیونکہ انھوں نے بھلائی کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت ایسی نہیں چھوڑی جس میں وہ سبقت نہ لے گئے ہوں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ :

اقول الفرقة الناجية هم الآخذون فی العقيدة والعمل جميعًا بما ظهر من الكتاب والسنة وجری عليه جمهور الصحابة والتابعين اھ (حجة اللہ البالغہ جلد ۱ صـ ۱۷۰، طبع مصر)

میں کہتا ہوں کہ نجات حاصل کرنے والا فرقہ وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں اس چیز کو لیتا ہے جو کتاب اور سنت سے ظاہر ہو اور جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا اس پر عمل ہو۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

وغير الناجية كل فرقة انتحلت عقيدة خلاف عقيدة السلف او عملاً دون اعمالهم (ایضاً صـ ۱۷۰)

اور غیر ناجی یہ وہ فرقہ ہے جس نے سلف (یعنی صحابہؓ اور تابعینؒ) کے عقیدہ اور عمل کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل اپنایا ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے کس واضح انداز سے ناجی اور غیر ناجی فرقہ میں فرق بیان کیا اور خطِ امتیاز کھینچ دیا ہے۔

الغرض اذانوں سے قبل اور بعد بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام کے بدعت کہنے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں بعض

حضرات نے مثلاً امام شافعیؒ سید احمد بریلویؒ اور اسی طرح
بعض دیگر مصری (وغیرہ) علماء نے اپنی صوابدید کے مطابق اسے
بدعت حسنہ کہا ہے مگر کاش کہ ان کے سامنے آج کل کے مفاسد
اور خرابیاں ہوتیں تو وہ کبھی بھی اس کو بدعت حسنہ نہ کہتے بلکہ یقین
تھا کہ وہ اسے بدعت سیئہ سے تعبیر کرتے۔ کسے
کیا معلوم تھا کہ سائنس کی ترقی کی بدولت ڈوڈا سپیکر ایجاد
ہوں گے اور ان کی بدولت آواز میلوں تک پہنچے گی کہ نہ تو
کوئی سنت اور تلاوت کر سکے گا اور نہ خطبہ اور سبق ہی پڑھ
سکے گا۔ اور نہ سلام و آداب سے ذکر کر سکے گا اور نہ کوئی نیند
کر سکے گا۔ اور پڑھنے والے کثر تعصب اور ضد اور چڑانے
کی نظر پڑھیں گے یہ مفاسد ان کے وہم و گمان میں بھی نہ
ہوں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک دور
میں بیبیاں مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتی تھیں لیکن نہایت
شرافت۔ سادگی اور حیا کے ساتھ۔ بعد کو جب مصر، شام اور
ایران وغیرہ فتح ہوئے اور وہاں کی بے باک اور بنڈ سندگار
کرنے والی عورتیں مدینہ طیبہ پہنچیں تو حضرت عائشہ رضؓ نے
فرمایا کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو دیکھ لیتے

تو ان کو ضرور جہنم میں آنے سے روک دیتے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئی تھیں۔ (بخاری جلد ۱ ص۱۲۰) یقین کامل ہے کہ اگر یہ بزرگ اس وقت موجود ہوتے تو اس کارروائی کو بدعت حسنہ کے بجائے بدعتِ ضلالہ کہتے۔ لاشک فیہ۔

فتاوی ذخیرۃ السالکین میں لکھا ہے کہ :-

الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قبل الاذان و بعدہ من محدثات الامور التی لم یکن فی عھد رسول اللہ علیہ وسلّم والخلفاء الراشدین والتابعین ومن تبعھم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔	اذان سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا ان بدعات میں سے ہے جن کا وجود آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور خلفاء راشدین اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھا۔

(بحوالہ غایۃ الکلام ص۱۲۶)

اور مؤلف مجالس الابرار فرماتے ہیں کہ اہلِ بدعت نے صرف اذان میں راگ ہی پر اکتفا نہیں کی :-

بل زاد وا علیھا بعض الکلمات من الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی	بلکہ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا بعض

صلی اللہ علیہ وسلّم وان کان
مشروعا بنص الکتاب والسنۃ
وکان من اکبر العبادات و
اجلہا لکن اتخاذہا عادۃ فی
الاذان علی المنارۃ لم یکن مشروعا
اذ لم یفعلہ احد من الصحابۃؓ
والتابعین ولا غیرہم من ائمۃ
الدین ولیس لامرأ ان یضع
العبادات الّا فی مواضعہا التی
وضعہا فیہا الشرع ومضی علیہا
المجالس الابرار ص۳۰۷ طبع کانپور

کلمات بھی اضافہ کئے ہیں۔ اگرچہ درود
شریف قرآن و سنّت سے ثابت ہے
اور بڑی اور عمدہ عبادات میں سے
ہے لیکن منارہ پر اذان کے بعد اس
کے پڑھنے کی عادت اختیار کر لینا
مشروع نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ اور
تابعینؒ اور ائمہ دینؒ میں سے کسی
ایک نے ایسا نہیں کیا اور کسی کو
یہ حق حاصل نہیں کہ عبادات کو
ایسے مقامات پر ادا کرے جہاں
شریعت نے نہیں بتائیں اور جس
پر سلف صالحینؒ نے عمل نہیں کیا۔

اور علّامہ ابن امیر الحاجؒ فرماتے ہیں کہ:-

فالصلوٰۃ والتسلیم علی النبی صلی
اللہ علیہ وسلّم احدثوہا فی
اربعۃ مواضع لم تکن تفعل
فیہا فی عہد من مضی والخیر

(اہل بدعت نے) آنحضرت صلّی اللہ
علیہ وآلہ وسلّم پر چار مقامات پر
صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت
ایجاد کی ہے جس کا وجود سلف

کله فی الاتباع لهم مع انها قریبته عهد بالحدوث جدا وهی عند طلوع الفجر من کل لیلة وبعد اذان العشاء لیلة الجمعة اھ (مدخل جلد ۲ ص ۲۸۱)

صالحینؒ کے زمانہ میں نہ تھا اور خیر تو ان کی پیروی ہی میں ہے حالانکہ یہ بدعت تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ ایجاد ہوئی ہے۔ ان مقامات میں سے ایک طلوعِ فجر کے وقت روزانہ اور دوسرا جمعہ کی رات کو عشاء کی اذان کے بعد درود پڑھنا ہے۔

اور شیخ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں :-

کہ در فضیلت صلوٰۃ بر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گراسکن است لیکن چنانکہ فرمودہ اند باید کرد ہر چیز را محل و موطنے تعین کردہ ہماں جا باید گفت و کرد۔

(مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۳۷۸)

ان تمام حوالوں و خصوصاً مقریزیؒ اور کشف الغمہ کے حوالہ سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ اذان کے بعد اور اس سے پہلے بلند آواز کے ساتھ درود شریف کا پڑھنا بدعت ہے اور اس کی ابتداء فضیوں کے دور میں ہوئی اور ایسے ظالم حاکم کے ہاتھوں پر ہوئی جو بداخلاق، بدباطن، حرام خور اور انتہائی کمینہ تھا اور موجودہ صلوۃ و سلام کا

طریقہ رافضیوں کے سلام کا چربہ ہے جو بقول بعض سلطان صلاح الدین نے رافضیوں کی بدعت کو ختم کر کے رائج کیا آپ اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے بڑی بدعت کو ختم کر کے چھوٹی اور ہلکی بدعت اختیار کی مگر بدعت بہرحال بدعت ہے جب بدعت ہوئی تو اس میں حسن کہاں سے آئے گا؟

حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ:

چیزیکہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند (مکتوبات حصہ سوم مکتوب ۱۸۶ طبع امرتسر) یعنی بدعت جب شرعاً مردود ہے تو اس میں حسن کہاں سے پیدا ہوگا؟

حیرت ہے کہ اپنے آپ کو سنی کہلانے والے بدعت پر چل رہے ہیں اور جو لوگ سنت صحیحہ پر عامل ہیں الٹا انکو کوستے اور وہابی کہتے ہیں۔ نہایت ہی افسوس ہے اس بے بنیاد نظریے پر۔

حضرت مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

از حق تعالیٰ تضرع است کہ ہر چیز در دین محدث شدہ است و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر

حق تعالیٰ سے عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا ہے کہ جو چیز دین میں گھڑی گئی ہے اور بدعت جاری

و خلفاء راشدین او نبوده اگرچہ
آن چیز در روشنی مثل فلق
صبح بود ایں ضعیف را با جمعے
کہ باد مستند اند گرفتار عمل
نگرد انار و مفتون حسن آں
مبتدع نکند بحرمۃ سید
المرسلین اھ (مکتوبات حصہ سوم
مکتوب ۸۶ صـ ۷۲ طبع امرتسر)۔

کی گئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور اس کے خلفاء
راشدین رض کے دور میں نہ تھی۔
اگرچہ وہ چیز روشنی میں صبح
کی روشنی کی مانند ہو۔ اس
ضعیف کو سید المرسلین صلے اللہ
علیہ وسلم کے طفیل سے اس
جماعت میں نہ کرے جو اس بدعت
کے عمل میں گرفتار اور بدعت کے
حسن کے فتنہ میں مبتلا ہے۔

یہ یاد رہے کہ جس طرح کسی ثابت شدہ چیز کا کرنا اپنے مقام پر سنت ہے۔ اسی طرح غیر ثابت شدہ چیز کا ترک اور نہ کرنا بھی اپنی جگہ اور اپنے محل میں سنت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رض نے اذان سے قبل اور بعد بلند آواز سے نہ تو صلوۃ و سلام پڑھا اور نہ اس کا حکم فرمایا۔ تو اب اس کے خلاف کرنا یقیناً ان کی سنت کا رافع ہوگا اور یہ کہنا کہ اس کارروائی سے کسی سنت کی رفع نہیں

ہوتی محض طفل تسلی ہے۔ یہ کارروائی بہرکیف خلافِ سُنّت اور رافع سُنّت ہے۔ علامہ ابراہیم الحلبی الحنفیؒ صلوٰۃ رغائب (جو رجب میں پڑھی جاتی ہے) وغیرہ کے بدعت اور مکروہ ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور بعد کے ائمہ مجتہدینؒ سے یہ منقول نہیں ہے (کبیری ص۴۳۳ اور عالمگیری جلد۴ ص۲۶۴ باب الکراہیۃ) میں ہے کہ سورۂ کافرون پوری سورت جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ بدعت ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے منقول نہیں ہے۔

غرضیکہ جس چیز کا داعیہ، محرک اور سبب اُس وقت بھی موجود تھا مگر وہ چیز نہیں کی گئی تو اس کا کرنا بدعت ہے بخلاف ان اشیاء کے جن کا داعیہ اس وقت نہ تھا اور اب پیش آیا ان کے بارے میں اہل علم اور اصحابِ بصیرت قیاس و اجتہاد سے کام لے سکتے ہیں۔

تثویب

بعض اہلِ بدعت نے اذان سے قبل اور بعد چلّا چلّا کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کو تثویب پر قیاس کیا ہے مگر یہ ان کی سخت غلطی ہے اوّلاً اس لئے کہ تثویب کے معنی ہیں اعلام

بعد الاعلام یعنی بتانے کے بعد بتانا گویا پہلے تو وقت کے ساتھ
نماز کا وقت بتایا اور پھر دوبارہ آگاہ کیا کہ نماز کا وقت قریب
ہے۔ اس تثویب کے بارے میں حضرات ائمہ اربعہ رح میں اور پھر
خود اکابر علماء حنفیہ میں خاصا اختلاف ہے۔ بعض قائل ہیں اور
بعض قائل نہیں۔ بعض صرف فجر کی نماز کے لئے قائل ہیں اور
بعض سب نمازوں کے لئے اور بعض صرف مفتی، قاضی اور
حاکم کے حق میں قائل ہیں اور بعض سب کے لئے۔ جب خود
اصل مسئلہ ہی میں کل الوجوہ متفق علیہ نہیں تو اس پر قیاس کا
کیا معنیٰ؟ وثانیاً اذان سے پہلے جو صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا
ہے یہ کیسے تثویب ہوگا؟ کیا اس صورت میں اذان کو
تثویب قرار دیں گے؟ مگر جو حضرات صلوٰۃ و سلام کو اذان
کی جزو قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں ان سے کیا بعید ہے
کہ وہ اذان ہی کو تثویب کہہ دیں و ثانیاً تثویب کے لئے
کلام کرنا ہی ضروری نہیں بلکہ کہنے سے بھی تثویب ہو
جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ عینی الحنفی فرماتے ہیں کہ :-

وتتوسم کل بلد علی ما تعارفوا	تثویب ہر شہر والوں کی ان کے
اما بالنفخ او بالصلوٰۃ او الصلاۃ	تعارف پر ہے یا تو کھانسنے سے

اوقامت قامت۔ اور یا نماز نماز" یا "کھڑی ہو گئی"
(شرح کنز ص ۲۱) کھڑی ہو گئی" کہہ کر (تثویب ہو
سکتی ہے)۔

اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی تثویب پر بحث کرتے
ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

قوله الاعلام بعد الاعلام اشار باطلاقه الی ان لا یختص التثویب بلفظ دون لفظ بل یکفی فیه التنحنح ایضاً ولا یختص بلسان دون لسان والی استحسان التثویب، نما هو لما کان له اعلام الاول فما تعورف فی بعض بلادنا من قول الصلوٰة سنته رسول الله بین الاذانین من یوم الجمعة لیس داخلا فی استحسان المتأخرین ولا فی استحسان المتقدمین فیلزم

ماتن کے قول اعلام بعد الاعلام
میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ
تثویب کسی ایک لفظ کے ساتھ
خاص نہیں کہ دوسرے سے نہ
ہو سکے۔ بلکہ اس میں کھانسنا بھی
کفایت کرتا ہے (یعنی کھانس کر
کسی کو آگاہ کرنا) اور اسی طرح
کسی لفظ سے بھی مخصوص نہیں
کہ دوسرے میں نہ ہو سکے اور نیز
اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ
تثویب اس چیز کو دوبارہ دہرانا
ہے جس کے لئے پہلے آگاہ کیا تھا۔

ترکہ انتہی (سعدۃ الرعایہ جلد ۱ ص ۱۵۴)

سو ہمارے بعض شہروں میں جو یہ طریقہ ہے کہ جمعہ کے دن دو اذانوں کے درمیان الصلوٰۃ السلوٰۃ سُنّتہ رسول اللہ کہتے ہیں یہ نہ تو متأخرین کے استحسان میں داخل ہے اور نہ متقدمین کے استحسان میں۔ لہٰذا اس کا ترک لازم ہے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ تثویب میں کبھی الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنا یا قامت قامت کہنا یا حی الصلوٰۃ حی الصلوٰۃ وغیرہ الفاظ لکھے ہیں یا ان کے ہم معنی الفاظ جس زبان سے بھی ہوں مگر سعدۃ الرعایہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ التسلوٰۃ الصلوٰۃ کے علاوہ سُنّتہ رسول اللہ کے الفاظ (جو بظاہر ضرورت سے زائد ہیں) کہنا بھی نہ تو متأخرین فقہاء کرام رحمہم اللہ کے استحسان میں داخل ہے اور نہ متقدمین کے، پھر بھلا صلوٰۃ و سلام در کنی کنی بار اور کافی کافی وقت پڑھنا تثویب میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے؟ اور یہ کیسے مستحسن ہو سکتا ہے؟ و ربما کن من معتبر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے صلوٰۃ و سلام کو اس معہود تثویب میں شامل کیا ہے۔ تو انہ

درکار ہے۔ اپنی طرف سے اس کو ثواب میں داخل کر دینے سے کچھ نہیں بنتا۔

ذکر بالجہر کی شرائط ہے:

جن بعض اکابر علماء کرام نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے تو انھوں نے اس کو مشروط کیا ہے مطلقاً جہر کے حق میں وہ بھی نہیں ہیں، چنانچہ صاحب درّ المنثور لکھتے ہیں کہ :-

وقد جمع النوویؒ بین الاحادیث	امام نوویؒ نے ان احادیث
الواردۃ فی استحباب الجہر بالذکر	میں جو بلند آواز سے ذکر کرنے
والواردۃ فی استحباب الاسرار	کے بارے میں وارد ہوئی ہیں،
بہ بان الاخفاء افضل حیث	اور ان احادیث کے بارے میں جو
خفت الریاء اوتأذی المصلون	آہستہ ذکر کرنے سے متعلق ہیں،
اوالنائمون والجہر افضل فی	یوں تطبیق دی ہے کہ آہستہ ذکر
غیر ذلک لان العمل فیہ اکثر	اس وقت افضل ہے جب کہ جہر
ولان فائدتہ تتعدی الی السامعین	سے ریاء کا خوف ہو یا نمازیوں کو
ولانہ یوقظ قلب الذاکر	جہر سے تکلیف ہوتی ہو یا سونے
ویجمع ہمہ الی الفکر ویصرف	والوں کو بے آرامی ہوتی ہو اور
سمعہ الیہ ویطرد النوم اھ	جہاں یہ چیزیں نہ ہوں تو وہاں

(روح البیان جلد ۳ صـ ۳۰۶)

جہر سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اسی پر عمل زیادہ ہے اور اس لئے بھی کہ اس کا فائدہ متعدی کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہ ذکر والے کو بیدار کرتا ہے اور اس کی دلجمعی کا سامان اسی میں ہے اور اس کے کان بھی اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور نیند بھی بھاگے گی

اور علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں کہ :-

والجمع بينهما بان ذلك يختلف باختلاف الاشخاص والاحوال كما جمع بذلك بين احاديث الجهر والاخفاء بالقراءة و يعارض ذلك حديث خير الذكر الخفي لانه حيث خيف الرياء او تاذى المصلون

اور ان کی تطبیق یوں ہے کہ یہ اشخاص و احوال کی وجہ سے مختلف ہے جیسا کہ جہر اور اخفاء سے قراءۃ کرنے اور آہستہ پڑھنے کی حدیثوں میں یہ تطبیق دی گئی ہے اور یہ اس حدیث کے معارض نہیں ہے جس میں آیا ہے کہ بہتر ذکر آہستہ ہے۔

او النیام فان خلا منہ ذکر فقال بعض اھل العلم ان الجہر افضل (شامی جلد ۱ ص ۶۱۸)

کیونکہ جہر وہاں بہتر نہیں جہاں ریاء کا خوف ہو یا نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو یا سونے والوں کو اذیت ہوتی ہو۔ پس اگر ان امور سے خالی ہو تو بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ذکر بالجہر افضل ہوگا۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر وہاں جائز اور افضل ہے جہاں ریاء کا خوف نہ ہو اور جہاں نمازیوں کی نماز میں اور سونے والوں کی نیند میں خلل نہ آتا ہو۔ ریاء تو ایک قلبی اور باطنی امر ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے یا ریاکار خود جان سکتا ہے لیکن ذکر بالجہر سے نمازیوں کی نماز میں اور سونے والوں کی نیند میں جو خلل پڑتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے بلکہ بدعتیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے اور اب تو زور شور کے ساتھ وہ اس پر عامل ہیں کہ جب سنت کے پیرو نمازیں شروع کرتے ہیں تو بس وہ اس وقت گلے پھاڑ پھاڑ کر لاؤڈ سپیکر پر صلوٰۃ و سلام اور خدا جانے کیا کچھ مصنوعی عشق نامے پڑھتے ہیں۔ نہ تو باجماعت نماز پڑھنے والے اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور نہ گھروں میں عورتیں

ور معذور دجمعی سے نماز اور تلاوتِ قرآن کریم کر سکتے ہیں
اور بیماروں اور سونے والوں کو بہ اذیت ہوتی ہے تو اس کا کہنا
ہی کیا؟ اور اس بدعت کی اذیت سے شریعتِ حقہ تو نالاں ہے
ہی، عوام اللہ بھی نالاں ہیں اور بزبانِ حال کہتے ہیں کہ ؏

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

تصویر کا دوسرا رُخ :-

آپ نے قرآن و سُنّت اور فقہ و اُمّت سے ذِکر دُعا اور درود
شریف کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کے ممنوع ہونے کے دلائل کر
لئے ہیں اب کاغذ کی کشتی ور تنکوں کا بھی ملاحظہ کرتے جایئے :-

گوجرانوالہ کے ایک مولوی ابوداؤد محمد صادق صاحب بریلوی
نے ایک اشتہار شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے بعد نماز جہر آواز سے
درود شریف پڑھنے کا بیان۔ یہ اشتہار کسی وقت لاہور کے بعض بریلوی
نے طبع کرایا تھا۔ اس کو ہتھوڑے سے تغیر کے ساتھ مولوی صاحب
مذکور نے اپنے افادات میں شامل کر کے دادِ تحسین حاصل کرنے
کی بے جا اور ناکام سعی کی ہے۔ یقین جانیئے کہ پورے اشتہار
میں ایک حوالہ بھی ایسا نہیں ہوا جو ان کے بالا ہوائی عنوان کی تائید کرے
اور ہم ترتیب وار ان کی خیانت یا جہالت کو منشت از بام کرتے

غور فرمائیں:-

پہلا حوالہ بخاری شریف کا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پاک میں فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس ذکر کو سنتا تھا تو معلوم کر لیتا تھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں اور یہی حوالہ آگے شیخ محمد تھانوی کے وامل الاذکار صفحہ کا دیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد صحابہ کے ساتھ بلند آواز سے تسبیح و تہلیل و ذکر کرتے تھے (محصلہ)

الجواب:- یہ حوالہ مولوی محمد صادق صاحب کو ہرگز مفید نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ ان کا دعویٰ نمازوں کے بعد درود شریف بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کا ہے اور یہ حوالہ درود شریف کے الفاظ سے خالی ہے۔ اس میں کہیں درود شریف کا ذکر نہیں ہے۔ ثانیاً حافظ ابن حجرؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

وقال النووی حمل الشافعی	امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت امام
هذا الحدیث علی انهم جهروا به	شافعی نے اس حدیث کو اس امر پر
وقتاً یسیرا لاجل تعلیم صفة	محمول کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
الذکر لانهم دوموا علی بجهر	اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عرصہ

به و مختار ان الامام والمأموم یخفیان الذکر الا اذا احتیج الی التعلیم (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۰۵)

کے لئے ذکر جہر سے کیا تھا تاکہ ذکر کے طریقہ کی تعلیم ہو سکے، یہ نہیں کہ انھوں نے بلند آواز سے پڑھنے کی مداومت کی تھی اور صحیح بات یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آواز سے ذکر کریں مگر جب کہ تعلیم کی حاجت پڑے۔

اور امام نووی رح نے اس حدیث کی شرح میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ :-

ونقل بن بطال وآخرون ان اصحاب لمذاهب المتبوعة و غیرهم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالذکر والتکبیر وحمل الشافعی هذا الحدیث علی انه جهر وقتا یسیرا حتی یعلمهم صفة الذکر لانهم جهروا دائما۔

محدث ابن بطال رح اور غیر علماء نے کہا ہے کہ وہ ائمہ مذاہب جن کی لوگوں نے بکثرت اتباع کی ہے اور اسی طرح دوسرے ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا مستحب نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضہ کی روایت کا مطلب امام شافعی رح نے

شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۳

یہ بیان کیا ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے تعلیم کی خاطر بلند آواز کے ساتھ ذکر ہوتا رہا نہ یہ کہ انھوں نے اس پر دوام کیا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ تمام ائمہ اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ نہ تو بلند آواز سے ذکر کرنا درست ہے اور نہ (نمازوں کے بعد) بلند آواز سے تکبیر کہنا درست ہے اور یہ مذکورہ حدیث اس وقت کی ہے جب کہ لوگوں کو ذکر کی تعلیم دی گئی تھی گویا جہر بالذکر کی یہ حدیث منسوخ ہے اور جمہور ائمہ اسلام اور خصوصاً ائمہ اربعہ کے نزدیک جہر سے ذکر کرنا اب جائز نہیں ہے۔ تعلیم کا معاملہ الگ ہے۔ تعجب ہے کہ تمام ائمہ ایک طرف ہیں اور اہلِ بدعت دوسری طرف ہیں۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

نوٹ:۔ جہاد کے موقع پر اسلامی لشکر کا نعرۂ تکبیر بلند کرنا جائز ہے اور اس کے لئے دوسرے دلائل ہیں۔ چنانچہ حافظ ابنِ حجرؒ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وھو قدیم من شان الناس — لوگوں کا اس پر قدیم سے عمل چلا

(فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۶۹) آ رہا ہے۔

حافظ ابنِ حجرؒ کے حوالہ سے اشتہار میں جو یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے اس سے صاحب اشتہار نے اپنے دعویٰ کا ثبوت دیا ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے بعض کا یہ قول نقل کر کے اس کو پسند نہیں کیا اور اپنا نظریہ والمختار الخ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جس کا بیان باحوالہ پہلے ہو چکا ہے۔

دوسرا حوالہ:۔ طبرانیؒ اور بیہقیؒ اور حلیۃ الاولیاء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ منافق اور جاہل لوگ تمہیں مجنوں اور ریاکار سمجھیں۔ (محصلہ)

الجواب:۔ اس کا جہر اور بلند آواز کے ساتھ ہونے سے کیا تعلق ہے؟ اور پھر بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے سے کیا ربط ہے؟

دعویٰ اور دلیل کی مطابقت ضروری ہوتی ہے اس سے جو امر ثابت ہے وہ کثرتِ ذکر ہے اور وہ محل نزاع نہیں ہے۔

تیسرا حوالہ:۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الخ پڑھتے تھے۔

مشکوٰۃ ص۸۸ (محصلہ)

الجواب:۔ یہ بھی مولوی محمد صادق صاحب کی سخت علمی جہالت ہے اوّلاً اس لئے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت میں (بصوتہ الاعلیٰ) بلند آواز کا کوئی جملہ نہیں ہے۔ یہ جملہ حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ کی روایت میں ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ جلد ۱ ص۸۸، جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں رواہ مسلم کہ یہ مسلم کی روایت ہے۔ یہ روایت مسلم جلد ۱ ص۲۱۸ میں ہے لیکن اس میں بصوتہ الاعلیٰ کا جملہ بالکل نہیں ہے۔ یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے اور مشکوٰۃ میں ان کے کئی اور اوہام بھی ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں ہیں۔ جاہلوں کو سمجھانا مشکل ہے۔

چوتھا حوالہ:۔ بحوالہ شامی جلد ۱ ص۱۰۰ امام شعرانیؒ سے نقل کیا ہے کہ علماء سلف و خلف کا اجماع ہے کہ مساجد وغیرہ مساجد میں جماعت کا مل کر ذکر کرنا مستحب ہے۔

الجواب:۔ اس حوالہ کے نقل کرنے میں مولوی محمد صادق صاحب نے جس دجل اور تلبیس کا ثبوت دیا ہے غالباً یہود بھی اس سے شرما جائیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ بریلویوں کے

اس خطیب کو شرم نہ آئے۔ شامی میں فی المساجد وغیرھا کے آگے یہ استثناء بھی ہے جس کو مولوی صاحب شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں۔

الا ان یشوش جہرھم علی نائم ومصل او قاری ھ (شامی جلد ص۶۱۸)	مگر یہ کہ ذکر کرنے والوں کا جہر سونے والے یا نمازی یا قاری کے لئے تشویش کا ذریعہ ہو تو پھر جہر سے پڑھنا مستحب نہیں ہے۔

دیکھئے کس طرح مولوی صاحب نے بے حیائی کا مظاہرہ کیا ہے کہ مستثنیٰ منہ ذکر کر دیا ہے اور مستثنیٰ کھا گئے ہیں۔

پانچواں حوالہ:۔ تفسیر روح البیان جلد ۲ ص۳۰۶، ص۳۵۲۔ مرقات شرح مشکوٰۃ اور خزینۃ الاسرار ص۵ میں مذکور ہے۔ ریاکاری کا خوف نہ ہو تو بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے تاکہ نیند اور غفلت دور ہو الخ (محصلہ)

الجواب:۔ بلاشک بعض علماء کے نزدیک بعض وقت ذکر بالجہر جائز ہے مگر روح البیان وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف نہ ہو اور مرقات کا حوالہ گزر چکا ہے کہ مسجدوں میں ذکر بالجہر حرام ہے

در مرقات ہی میں ہے کہ :-

ویسن الاسرار فی سائر الاذکار ایضاً الا فی التلبیۃ والقنوت لِلامام الخ (مرقات جلد ۲ صفحہ ۱۵)

تمام اذکار میں آہستہ پڑھنا سنّت ہے، بجز تلبیہ اور قنوت (نماز کے) میں امام کے لئے جہر سے پڑھنا درست ہے الخ۔

پھر اس ذکر سے نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا کیا تعلق جو مشتہر صاحب کا باطل دعویٰ ہے، دعوے اور دلیل میں مناسبت درکار ہے جو یہاں مفقود ہے۔

چھٹا حوالہ :- کہ مولانا شیخ عبدالحق دہلویؒ اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے ذکر بالجہر پر کتابیں لکھی ہیں (محصلہ)

الجواب :- اپنے موقع پر ذکر بالجہر بعض کے نزدیک جائز ہے لیکن نمازوں کے بعد اور مسجدوں میں اور پھر درود شریف بلند آواز سے پڑھنا اور اذانوں کے بعد کلمے پڑھ پڑھ کر پڑھنا، اس پر ان بزرگوں نے کون سی کتاب تصنیف فرمائی ہے؟ اور اسی طرح فتاویٰ عزیزیہ میں جو یہ لکھا ہے کہ صوفیاء کرام مسجدوں میں بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے (محصلہ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو میدانِ فتویٰ میں فقہاء کرام کی بات کا اعتبار ہوتا

ہے، نرے صوفیاء کی بات کوئی وقعت نہیں رکھتی، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ عملِ صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں معذور داریم ۱۲ مکتوبات دفتر اول صفحہ ۳۳۵ ثانیاً اس سے اس کا ثبوت کیونکر ہوا کہ وہ نمازوں کے بعد پڑھتے تھے اور پھر درود شریف بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ اس کے خلاف حضرت ابنِ مسعودؓ کا حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ مسجدوں میں حلقے باندھ کر اور بلند آواز سے درود نہیں پڑھتے تھے (محصلہ)

ساتواں حوالہ:- سُرخی یہ قائم کی ہے کہ "بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کی فضیلت" اور پھر آگے علامہ عبدالرحمٰن صفوریؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب واعظ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ الآیہ پڑھے تو سامعین بلند آواز سے درود شریف پڑھیں اور پھر آگے الموردالعذب نامی ایک مجہول کتاب سے ایک عجیب و غریب افسانہ بھی درود شریف کے بارے میں نقل کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں خطیب بغدادیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ (محصلہ)

جواب: عجیب منطق ہے، دعویٰ تو یہ ہے کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز ہے اور دلیل یہ ہے کہ جب واعظ یہ آیت پڑھے تو سامعین بلند آواز سے درود شریف پڑھیں؟ اور پھر صفوریؒ وغیرہ کا فتویٰ حضرت ابن مسعودؓ کے فتویٰ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اور مطلق بعض اوقات میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کے جواز سے اذانوں اور نمازوں کے بعد مقید طور پر پڑھنے کا ثبوت کہاں سے؟ فقہاء کرامؒ نے تو تصریح کی ہے کہ جب امام خطبہ میں اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ الآیہ پڑھے تو سامعین زبان کو حرکت تک نہ دیں بلکہ دل میں درود شریف پڑھیں (کفایہ جلد ۱ صفحہ ۲۸ و شرح وقایہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ و سراجیہ صفحہ ۱۷) مگر علامہ سرخسیؒ، حافظ ابن الہمامؒ اور علامہ شامیؒ اس موقع پر آہستہ پڑھنے کی بھی صراحت سے ممانعت نقل کرتے ہیں (مبسوط جلد ۲ صفحہ ۲۹، فتح القدیر ج ۲ صفحہ ۴۲۱ اور فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۴۲) لہٰذا یہ قول بھی اپنے عموم پر نہیں ہے۔

آٹھواں حوالہ: فریق مخالف کے امام ابن القیمؒ جلاء الافہام صفحہ ۶۳ میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھو کہ تم جہاں بھی ہو گے مجھے آواز پہنچ جائے گی (محصلہ)

الجواب:۔ اس کی سند میں سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداء ہے اور سعید بن ابی ہلال کی سماعت ابو الدرداء سے ثابت نہیں ہے۔ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سعید بن ابی ہلال کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۹۶) اور حضرت ابو الدرداء کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی (کمال ص ۵۹۴) اس روایت سے حاضر و ناظر جیسا مسئلہ ثابت کرنا کارے دارد۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ دور دراز سے جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اس کو فرشتے پہنچاتے ہیں آپ خود دور سے نہیں سنتے۔ اور پھر بروز جمعہ بکثرت درود شریف پڑھنے سے جہر کے ساتھ درود شریف پڑھنے کا اور گلے پھاڑ پھاڑ کر پڑھنے کا ثبوت اس سے کیسا؟ غرضیکہ جو بات اس سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں اور جس کا انکار ہے وہ ثابت نہیں

نواں حوالہ:۔ (دلائل الخیرات ص ۵۲) کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل بیت کا درود میں خود سنتا ہوں اور انھیں پہچانتا ہوں۔ (محصلہ)

الجواب۔ یہ روایت بالکل بے موضوع اور بے سند ہے اگر مولوی

محمد صادق صاحب میں ہمت اور غیرت ہے تو اس کی سند اور راویوں کی توثیق اور سند کا اتصال اور معتبر محدثین کرام سے اس کی بحوالہ تصحیح نقل کریں۔ دیدہ باید۔ چند بزرگوں کے حوالہ سے دلائل الخیرات کے مستند ثابت کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حدیث کی سند اور اس کی صحت درکار ہے۔

دسواں حوالہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان مجھے سلام عرض کرتا ہے اللہ تعالےٰ میری روح کو عالم استغراق سے اس کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں مشکوٰۃ شریف (مجملہ)

الجواب:۔ اس کا بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جب فرشتوں کے ذریعہ آپ تک درود شریف پہنچایا جاتا ہے تو اس وقت عالم استغراق سے متوجہ ہو کر آپ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ اس بات میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

گیارھواں حوالہ:۔ کہ مشکوٰۃ شریف ص۴۵۷ میں حدیث آتی ہے اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اس کا ترجمہ مولوی محمد صادق صاحب نے کیا ہے جو خالص تحریف ہے۔ یعنی جو غیب و دور کی چیز تم نہیں دیکھتے وہ میں دیکھتا ہوں اور جو

غیب و دُور کی بات تم نہیں سُنتے مَیں سُنتا ہُوں۔

الجواب :۔ غیب و دُور کے الفاظ مولوی صاحب کی خانہ ساز اختراع و ایجاد بندہ ہے۔ اس کا صحیح مطلب تو یہ ہے کہ مَیں چونکہ اللہ تعالےٰ کا نبی ہُوں۔ فرشتہ جو وحی لاتا ہے اور وحی سُناتا ہے اُسے مَیں دیکھتا بھی ہوں اور اس کا کلام سُنتا بھی ہُوں اور اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ احیاناً مجھے جو دکھ دے اور جو سُنا دے مَیں دیکھتا اور سُنتا ہُوں۔ نہ یہ وقت ایسا ہوتا ہے اور نہ غیب و دُور اس سے مُراد ہے۔ کیونکہ یہ مطلب قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہے جو یقیناً باطل اور مردُود ہے۔

بارھواں حوالہ :۔ کہ علامہ یوسف نبہانیؒ اور شیخ محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ جب تُو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو یاد کرے اور درُود عرض کرے تو حیاء و ادب و تعظیم کی حالت اختیار کر۔ اس لئے کہ تحقیق آپ صلّے اللہ علیہ وسلّم تجھے دیکھتے اور تیرا کلام سُنتے ہیں کیونکہ آپ صفاتِ الٰہی سے متصف ہیں اور اللہ تعالےٰ کی ایک صفت یہ ہے : انجلیس من ذکرنی اھ (سعادۃ الدارین صہ۳۵۴ ومدارج النبوۃ جلد۲ صہ۲۲) (محصلہ)

الجواب :۔ مولوی صاحب نے اس حوالہ میں نہایت شرمناک

دھوکہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دجل اور تلبیس، فریب اور مکاری سے بچائے۔ مدارج النبوۃ کی اصل عبارت یوں ہے:۔

نوع ثانی کہ تعلق معنوی است بجناب محمدی و آں نیز دو قسم است اول دوام استحضار آں صورت بدیع المثال و اگر ہستی تو کہ تحقیق دیدۂ وقتی از اوقات در نوا و تو مشرف شدۂ بدل پس استحضار کن صورتی را کہ دیدۂ در منام و اگر ندیدۂ ہرگز و مشرف نشدۂ بآں و استطاعت نداری کہ استحضار کنی آں صورت موصوفہ بایں صفات را بعینہا ذکر کن او را و درود بفرست بروے صلی اللہ علیہ وسلم و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو او را مؤدب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بدانکہ وی صلی اللہ علیہ وسلم می بیند و میشنود کلام ترا الخ۔

مدارج النبوۃ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۷۱۵

حضرت شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر خواب میں تجھے آپ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تو تو آپ کا ذکر کرتے وقت اور درود شریف پڑھتے وقت یہ تصور کر کہ گویا آپ حالت حیات میں تیرے پاس حاضر ہیں اور تو آپ کو ادب، اکرام، تعظیم، ہیبت اور حیا کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور تو جان کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور تیرا کلام سن رہے ہیں الخ۔ یہ ساری عبارت جس میں و بدانکہ الخ کا جملہ بھی ہے۔ لفظ گویا کے نیچے داخل ہے۔ مگر

مشتہر صاحب نے خدا تعالیٰ کا خوف دل سے نکال کر لفظ گویا (اور حرف عطف) اڑا دیا ہے اور اس کی جگہ تحقیق تجھے دیکھتے ہیں کر دیا ہے۔ صد افسوس ہے اس دیانت اور علم پر اور تف ہے اس مصنوعی پرہیزگاری پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

تیرھواں حوالہ:۔ پھر آگے متعدد کتابوں کا حوالہ دیا ہے کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وغیرہ کے الفاظ سے درود شریف بزرگوں سے ثابت ہے سیرت حلبیہ ص۲ نسیم الریاض جلد ۳ ص۴۹۳، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص۲۴۔ اور حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ چودہ سو ولیوں نے ان کلمات سے فیض پایا ہے جلاء افہام ص۲۰۵، روح البیان۔ اور آخر میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی کتاب الشہاب الثاقب ص۶۵ کا حوالہ دیا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ درود شریف پڑھنا اگرچہ بصیغہ خطاب وند کیوں نہ ہو مستحب ہے (محصلہ)

الجواب:۔ ہم اور ہمارے تمام اکابر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کو بطور درود شریف پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ یہ بھی فی الجملہ اور مختصر طریقہ سے درود شریف کے الفاظ ہیں، ہاں البتہ حرف خطاب اور حرف ایا سے حاضر و ناظر مراد لینا کفر ہے چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تصریح کی ہے کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھا جا سکتا ہے مگر آپ کو حاضر و ناظر نہ سمجھو ورنہ اسلام کیا کفر ہوگا۔ اصل الفاظ یوں ہیں:۔

اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بہت مختصر ہے مگر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ سمجھنا چاہیئے ورنہ اسلام کیا ہوگا کفر ہوگا بلکہ یوں سمجھیئے کہ یہ پیغام فرشتے پہنچاتے ہیں بلفظہٖ (فیوض قاسمیہ ص۲۲) اور دیوبندی حضرات کے مشہور مولوی جن کی کتاب پر ان کی بدعت کی عمارت کھڑی ہے مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں کہ جو کوئی کہتا ہے ؎

تجھ پہ اے امام پر قربان یا رسول اللہ　　فدا ہو تم پہ میری جان یا رسول اللہ

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے۔ مراد اس کی جملہ خبریہ ہے گو اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے کیا ضرور ہے کہ یوں کہو یہ شخص تو خدا کی طرح حاضر و ناظر جان کر پکارتا ہے۔ ہاں البتہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو یہ کہہ کر کہ لفظ یا نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے وہ مخاطب نہیں کیا جاتا مگر حق شرک کو، حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے۔ (انوار ساطعہ ص۲۲۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنا مولوی عبدالسمیع صاحب کے نزدیک بھی کفر و شرک ہے۔ خدمہ کلام یہ ہے کہ بلند آواز سے اذان کے بعد یا پہلے یا نمازوں کے بعد درود شریف پڑھنے کے ثبوت میں کوئی صریح اور صحیح حوالہ موجود نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ٹھوس حوالے موجود ہیں جن میں بعض پیش کر دیئے گئے ہیں ہیں بدعت عموماً اور مولوی محمد صادق صاحب خصوصاً لوگوں کو دھوکہ

دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور ائمہ دینؒ اور سلف صالحینؒ کے صحیح طریقہ کو چھوڑ کر نئی نئی بدعتیں نکالتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ تمام مسلمانوں کو سنت پر چلنے کی اور بدعت سے بچنے کی توفیق بخشے۔ (آمین ثم آمین)

ضمیمہ

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ ذکر بالجہر کی تفصیل کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وروی البیہقیؒ فی کتاب شعب الایمان عن سعدؓ بن مالک مرفوعاً[1] خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی وفی النہایۃ شرح الہدایۃ المستحب عندنا فی الاذکار الخفیۃ الا ما تعلق باعلاء مقصود کالاذان والتلبیۃ انتہیٰ وصرح کثیر من الحنفیۃ منہم

امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں حضرت سعدؓ بن مالک کے طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ اور مخفی طریقہ سے ہو اور بہتر رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے اور ہدایہ کی شرح نہایہ میں لکھا

---

[1] یہ روایت علاوہ اس مذکور حوالہ کے جو پہلے گزر چکا ہے موارد الظمآن ص۵۷۰ میں بھی ہے۔

صاحب الهدایۃ ان الجهر بالذکر
بدعۃ والاصل فیه الاخفاء و
الحاصل ان الجهر وان کان جائزا
لکن المفروط منه منهی عنه والسر
افضل من الجهر الغیر المفرط
ایضًا کیف والجهر المفرط یستلزم
مفاسد منها ایقاظ النیام ومنها
تشغل قلوب المصلین وهو یفضی
الی سهو ومنها ترک الخشوع عما
ینبغی الی غیر ذلک من المفاسد
التی لاتحصٰی وان شئت زیادۃ
التفصیل فی هذا فارجع الی
رسالتی سباحۃ الفکر بالجهر بالذکر
انتہٰی۔ (مجموعۂ فتاوٰی جلد ۲ ص ۳۳ طبع لکھنؤ)

ہے کہ ہمارے (یعنی حنفیوں کے)
نزدیک مستحب یہ ہے کہ اذکار
خفیہ اور آہستہ ہوں مگر ہاں جہاں
ان کے جہر سے کوئی مقصود والبتہ
ہو، مثلاً اذان اور حج میں تلبیہ، اور
بہت سے احناف نے جن میں
صاحبِ ہدایہ بھی شامل ہیں اس
کی تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے
ذکر کرنا بدعت ہے اور اصل ذکر
میں یہ ہے کہ آہستہ ہو۔ حاصل یہ
ہے کہ جہر اگرچہ جائز ہے لیکن حد
سے زیادہ جہر سے ذکر کرنا ممنوع
ہے اور آہستہ ذکر جہر غیر مفرط
سے بھی بہتر ہے۔ کیوں بہتر نہ
ہو جبکہ جہر مفرط کئی خرابیوں کو
مستلزم ہے ایک یہ کہ سونے
والوں کی نیند میں خلل پڑتا ہے۔

دوسرا یہ کہ نمازیوں کے دِل
مشغول ہو جاتے ہیں اور وہ نماز
میں بھُول جاتے ہیں اور تیسرے
یہ کہ اخلاص اور خشوع اس سے
ترک ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ
اور بے شمار خرابیاں ہیں اگر اس
میں زیادہ تفصیل چاہتے ہو تو
میرے رسالہ "سباحۃ الفکر بالجہر بالذکر"
کی طرف مراجعت کرو۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ جہر مفرط کے تو کسی طرح قائل نہیں ہیں اور آجکل لاؤڈ سپیکر پہ گلے پھاڑ پھاڑ کر جو ذکر کیا جاتا ہے وہ جہر مُفرط نہیں تو اور کیا ہے۔ اور مولانا نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ جہر غیر مُفرط سے بھی ذکر خفی افضل ہے اور پھر جہر مفرط کے کئی مفاسد اور خرابیاں بھی بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک نمازیوں کی نماز میں خلل ہے اور کوئی منصف مزاج آدمی اِس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج کل اہلِ بدعت اپنی مسجدوں

میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعے جو صلوٰۃ و سلام اور بزعم خود نعتیہ اور عشقیہ کلام پڑھتے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ دوسری مسجدوں میں نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے بلکہ گھروں اور محلوں میں عورتوں کی نمازوں میں بھی خلل پیدا ہوتا ہے۔ الغرض حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کو اپنا ہمنوا سمجھنا جیسا کہ مشتہر صاحب نے کہا ہے، ایک بے بنیاد امر ہے۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک کو حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔